ستر برسوں میں پاک و ہند تعلقات

عبدالستار°

قیامِ پاکستان کے ۷۰ سال گزرنے کے بعد جب مَیں پاکستان اور بھارت کے تعلقات کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہوں تو تمام ناہمواریوں کے باوجود یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان دونوں ممالک کے باہمی تعلقات اچھے ہمسایوں والے ہو سکتے تھے۔ آغاز تو امیدافزا تھا۔ تقسیم بھی اتفاق راے سے ہوئی تھی۔ دوسب سے بڑی سیاسی جماعتوں نے برطانوی تجویز پر صاد کیا اور خودارادیت کے بنیادی انسانی حقوق کے غیرمبہم اصول کو تسلیم کرنے کے نتیجے میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

پُرامن ذرائع سے پاکستان کے حصول کے بعد قائداعظم کا خیال یہ تھا کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان موجود تمام اختلافات بھی بین الاقوامی قانون اور عدل کے اصولوں کے مطابق حل کر لیے جائیں گے۔ دونوں ملکوں نے اقوام متحدہ کا چارٹر (Charter) تسلیم کیا تھا، جو اپنے ارکان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ طاقت کے استعمال سے باز رہیں گے۔ باہم تنازعات دوطرفہ گفتگو اور مذاکرات سے حل کریں گے اور اگر اس طرح سے تنازعات طے نہ ہوسکیں تو ان کے حل کے لیے غیرجانب دارانہ (مصالحتی) طریق کار، مثلاً ثالثی وغیرہ کو اختیار کیا جائے گا۔ لیکن عملی دنیا میں یہ دیکھ کر پاکستان جلد ہی حیرت زدہ رہ گیا کیوں کہ انڈین نیشنل کانگریس عظیم طاقت بننے کے ایک فرسودہ تصور سے متاثر ہوکر جنوب ایشیائی خطے پر غلبہ حاصل کرنے پر تل چکی تھی۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان کش مکش کی بنیاد کو اس سامراجی ریت (paradigm)

° سابق وزیر خارجہ حکومت پاکستان (۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۲ء)

کی روشنی میں بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے جس کے تحت ایک بڑی ریاست، طاقت کی عدم مساوات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے، پاکستان جیسے ایک نسبتاً کم طاقت ور ملک پر اپنی مرضی ٹھونسنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اصل میں آزادی کی تحریک کے آغاز ہی سے یہ برہمنی ذہنیت زدہ کانگریس کے رہنماؤں کا محبوب ترین خواب تھا۔ یہ بات اس کے اس مطالبے سے بھی واضح ہو جاتی ہے، جو اس نے ۱۹۱۹ء میں 'پیرس امن کانفرنس' میں نشست حاصل کرنے کے لیے کیا تھا۔ اس کے لیے یہ دلیل دی کہ: 'بھارت (India) کا عظیم طاقت بننا اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے'۔ حیران کن طور پر پنڈت جواہر لال نہرو، جو ایک بیرسٹر تھے اور جنھوں نے بیرسٹر محمد علی جناح کی طرح انگلستان کے ایک معروف قانون کے ادارے میں تعلیم حاصل کی تھی، انڈیا کے بارے میں قرونِ وسطیٰ کا یہ نظریہ رکھتے تھے کہ وہ ایک عظیم طاقت ہے۔ ان کا مستقبل کا تصور یہ تھا کہ بھارت کا دائرۂ اثر باب المندب سے آبنائے ملاکا تک ہوگا۔

نہرو کی قیادت میں، بھارت نے نیپال اور بھوٹان پر غیر مساویانہ معاہدے ٹھونسے اور پرتگالی گوا کو فتح کرلیا۔ طاقت کے عدم توازن سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے بھارتی عمل کا اوّلین ہدف پاکستان تھا۔ بھارت نے بعد از تقسیم برطانوی ہند کے اثاثوں کی تقسیم کے لیے معاہدوں پر دستخط کیے، لیکن ان میں سے کچھ پر عمل درآمد کرنے سے انکار کر دیا۔ تقسیم کے ایک ہی سال بعد حیدرآباد دکن کی خودمختار مسلم ریاست کو ایکشن کر کے بھارت میں ضم کرلیا۔

جب جوناگڑھ کی ننھی سی ریاست کے نواب نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا تو بھارت نے وہاں فوجیں داخل کر دیں تو اس کے لیے دلیل یہ دی کہ یہ تقسیم کے اصول کی صریح خلاف ورزی ہے، لیکن جموں اور کشمیر کے حوالے سے 'صریح خلاف ورزی' کا مرتکب ہونے پر نہرو کو ضمیر کی خلش نام کی کوئی چیز لاحق نہیں ہوئی۔

اس سے بھی زیادہ حیران کن امر یہ تھا کہ نہرو دانستہ طور پر دھوکا دہی پر اتر آئے۔ انھوں نے اقوام متحدہ کی ان قراردادوں کو، جن میں جموں اور کشمیر میں راے شماری (Plebiscite) کے لیے کہا گیا تھا، بھارت نے اسے قبول کرنے کی منظوری دی تھی، لیکن ایک خفیہ نوٹ (note) میں اپنے اس ارادے اور نیت کا اظہار کیے رکھا کہ استصواب کی قرارداد پر عمل نہیں ہونے دیا جائے گا۔

اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت (رکن ممالک پر) یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے تنازعات، غیر جانب دارانہ بین الاقوامی ضابطوں، مثلاً ثالثی کے تحت حل کریں۔ لیکن 'سندھ طاس' معاہدے اور 'رن آف کچھ' کی حد بندی کے دو معاملات کے سوا، بھارت کی طرف سے اس ذمہ داری سے سرکشانہ فرار ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ اس طرزِ عمل میں بھی بھارت کی 'عظیم طاقت بننے والی' جارحانہ عصبیت کارفرما نظر آتی ہے۔

اُوپر جن دو معاملات کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے اوّل الذکر کے لیے عالمی بنک نے مدد دی تھی اور اس معاہدے کے نتیجے میں ہونے والے ادل بدل کے لیے پاکستان میں درکار تعمیراتی منصوبوں کے لیے فنڈز فراہم کرنے کی تحریک کی تھی۔ 'رن آف کچھ' کی حد بندی کا معاملہ ثالثی کے ذریعے طے کیا گیا۔ اگرچہ اس کے نتیجے میں متنازعہ علاقے کا صرف ۱۰ فی صد پاکستان کو دیا گیا، لیکن اس کے باوجود بھارت نے اپنے طور پر یہ عہد کرلیا کہ وہ آیندہ کبھی بھی غیر جانب دارانہ ثالثی پر اتفاق نہیں کرے گا۔

اس تمام عرصے میں بھارت کا طرزِ عمل یہ رہا ہے کہ اگر گفت وشنید سے معاہدات طے بھی پا جاتے ہیں تو وہ اس پر عمل درآمد میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے اس کی یک طرفہ تشریح پر اصرار کرتا ہے۔ جولائی ۱۹۷۲ء کے 'شملہ معاہدے' میں یہ پیمان کیا گیا تھا کہ فریقین جموں اور کشمیر میں لائن آف کنٹرول کی خلاف ورزی اور طاقت کے استعمال سے مکمل اجتناب کریں گے، لیکن بھارتی فوج نے لائن آف کنٹرول کی آخری حد سے آگے بڑھ کر سیاچین کے پہاڑوں میں گلیشیروں والے علاقے پر قبضہ کرلیا۔

بھارت کے ایک رہنما کا تنقیدی حوالے سے بار بار نام لینا قابلِ افسوس ہے، لیکن نہرو نے قانون اور اخلاقیات کے اصولوں کی جس حقارت آمیز طریقے سے بار بار بے حُرمتی کی ہے، اس کی وجہ سے یہ اذیت ناک ذکر ناگزیر ہے۔ تاہم، خوش قسمتی سے بعد میں چند وزراے اعظم نے اصولوں کے مطابق رویہ اختیار کیا۔ مثال کے طور پر مرار جی ڈیسائی نے دوسرے جنوب ایشیائی ممالک میں عدم مداخلت کے اصول کی سختی سے پابندی کی۔ جب قتل کے مقدمے میں سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف پاکستان کی عدالت عظمیٰ کا فیصلہ آیا تو اس پر بھارتی صدر نے

کھلے عام تبصرہ کیا، مگر واجپائی نے صدر کے اس فعل کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

ایک اور ممتاز رہنما، جس نے پاکستان کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی، اٹل بہاری واجپائی تھے۔ لاہور کے دورے کے دوران انھوں نے بی جے پی کے نمایاں رہنماؤں کو مینارِ پاکستان لے جا کر وہاں پھول چڑھائے ۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ انھوں نے تقسیم کو تسلیم کر لیا ہے، جس کی ۱۹۴۷ء سے جن سنگھ مخالفت کرتی رہی تھی۔ جنگی ہتھیاروں (strategic weapons) میں پوشیدہ خطرات کو ذہن میں رکھتے ہوئے، انھوں نے ایٹمی جنگی ہتھیاروں سے وابستہ خطرات کو کم کرنے کے لیے پاکستان کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کرنے کا فیصلہ بھی کیا۔

تاہم، ابھی تک بھارتی اسٹیبلشمنٹ عظیم طاقت کے قدیم تصور کی غلام ہے۔ جموں اور کشمیر کے مقبوضہ حصوں کے عوام پر اپنا قبضہ ناجائز طور پر برقرار رکھنے کے لیے اس نے غیرانسانی ظلم وستم کا بازار مسلسل گرم کر رکھا ہے۔ کشمیری عوام نے آزادی کی جدوجہد میں عالی حوصلگی سے قربانیاں دی ہیں اور کشمیری عوام کے اس انصاف پر مبنی نصب العین کی حمایت میں پاکستان بھی ثابت قدم رہا ہے۔ جب تک بھارت تشدد اور ظلم وستم کو جاری رکھے ہوئے ہے، پاکستان اور بھارت کے درمیان امن اور معمول کے تعلقات ایک خواب ہی رہیں گے۔

باہمی بقا کے تحفظ کے لیے، دونوں ملکوں کو اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کرنا ہوگی اور بین الاقوامی برادری نے جنگ کی روک تھام اور تنازعات اور اختلافات کے پُرامن تصفیے کے لیے جو طریقِ کار طے کیا ہے، اس سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔ انسانی تہذیب کی ترقی من مانے نتائج (جو کہ عام طور پر تباہ کن ہوتے ہیں) کے حصول کے لیے طاقت کے استعمال سے دست برداری سے براہِ راست منسلک ہے۔ (ترجمہ: پروفیسر خالد محمود)